

میسلمہ امامت اور عورت

{ از جناب مولانا محمد یوسف کوکن عمری افضل العلماء ایم اے
صدر شعبہ عربیہ و فارسی و اردو، مدراس سے یونیورسٹی }

[[ماہنامہ برہان دہلی بابت فروری ۱۹۶۶ء سے شکریتے کے ساتھ]]

گذشتہ سال مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی نے مدراس کے ایک مسلم زنانہ کالج میں ایک نہایت شاندار مسجد کا افتتاح کیا تو بعض شورش پسندوں نے اس پر ایک ہنگامہ برپا کر دیا اور انہوں نے کہا کہ عورتوں کے لئے نہ مسجد میں جا کر نماز پڑھنے کا حکم ہے اور نہ ان کے لئے امامت اور خطبہ دینا جائز ہے، یہ ہنگامہ صرف زبانی صحیح خراج تک محدود نہیں رہا بلکہ اردو کے بعض ذمہ دار اخبارات میں اس نوع کی تحریریں بھی شائع ہوئی تھیں۔ اسی واقعہ سے متاثر ہو کر ہمارے فاضل دوست مولانا محمد یوسف صاحب نے جو جنوبی ہند کے اکابر علماء میں سے ہیں پیش نظر مقالہ میں اس موضوع پر مفصل اور بصیرت افروز بحث کی ہے جسے ہم شکریتے کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔ (ایڈیٹر برہان)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء کی طرح ابتدائے بعثت ہی سے نماز کا بڑا اہتمام کرتے تھے، فرض نمازوں کے علاوہ نفل نمازیں اتنی پڑھا کرتے تھے کہ بسا اوقات آپ کے کمریوں پر زیادہ کھڑے رہنے کی وجہ سے درم آجاتا تھا، آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنی بیویوں کو نماز کی تاکید کریں۔ قرآن مجید میں ہے:-
وَأَمَّا أَهْلُكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ط (اے نبی، اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم کیجئے اور خود

سے یہاں مراد سیاسی امامت نہیں، بلکہ نماز کی امامت ہے۔ (منکر و نظر)

● مضمون کے شروع میں نفس نماز پر بحث ہے، اسے چھوڑ دیا گیا ہے۔ (منکر و نظر)

لا تسلك زناً ونحو فزقك ط والعاقبة
بھی اس کے پابند رہیے۔ ہم آپ سے روزی کہا نہیں
چاہتے، روزی تو ہم دیں گے اور بہترین انجام پہ پہنچائی
کا ہے۔

ایک دوسری جگہ نبی کی بیویوں کو صاف حکم دیا گیا ہے :-
واقمن الصلوة و آتین الزکوة و
اسے نبی کی بیویوں! نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور
اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ بے شک اللہ تم سے لے
لیڈھب عنکم الرجس اهل البیت
اہل بیت پلیدی کو دور کرنا چاہتا ہے اور تم کو پوری طرح
ویطہرکم تطہیراً (احزاب ۳۳)
پاک کرنا چاہتا ہے۔

نبی کی بیویاں امت مسلمہ کی مائیں ہیں، ان کا ہر ایک فعل امت مسلمہ کے لئے شیخ ہدایت کا درجہ رکھتا
ہے اس لئے ہم مسلمانوں کا پکا عقیدہ ہے کہ اسلام کے تمام بنیادی احکام جن قدر مردوں کے لئے واجب العمل
ہیں اسی طرح عورتوں کے لئے بھی واجب العمل ہیں، بلکہ حدیثوں میں ہے کہ بچے اگر سات برس کے ہو جائیں تو
ان کو نماز کی تاکید کریں اور اگر اس سلسلہ میں ان کو تنبیہ کرنے کی ضرورت پیش آئے تو تنبیہ کرنے سے دریغ
نہ کریں۔

احکام اسلام کی پیروی میں | قرآن مجید سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ احکام اسلام کے انجام دینے اور ان
عورت اور مرد کا ایک درجہ ہے | کی پیروی کرنے میں عورت اور مرد کی یکساں ذمہ داریاں ہیں۔ قرآن مجید میں
ان دونوں کے اوصاف حسنہ گنائے گئے ہیں اور دونوں کو ایک ہی حیثیت دی گئی ہے، سورۃ احزاب میں ہے:-

ان المسائین و المسلمات المؤمنین
والمومنات و القناتین و القنات
و الصلواتین و الصدقات و الصبرین
و الصبرات و الخشعین و الخشعات
و المتصدقین و المتصدقات الصائمین
و الصائمات و الخلفین فرجہم و
الحفظت و الذکرین اللہ کثیراً
بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں
اور عبادت گزار مرد اور عبادت گزار عورتیں اور سچے مرد اور
سچی عورتیں اور صبر والے مرد اور صبر والی عورتیں اور ڈرنے
والے مرد اور ڈرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد
اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ
رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور
اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا بہت ذکر کرنے

والذکوات اعد الله لهم
مغفرة واجزا عظيما ۵
دالے مرد اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والی عورتیں۔ اللہ نے
ان کے لئے بہت بڑی بخشش اور ثواب تیار کر رکھا ہے۔

(الاحزاب ۲۵)

اسلام، ایمان، عبادت، سچائی، صبر و تحمل، خشوع و خضوع، صدقہ و خیرات، روزہ، شرم گاہوں کی
حفاظت، ذکر الہی، ان میں سے کوئی وصف بھی ایسا نہیں ہے جس میں مرد کو عورت پر فضیلت دی گئی ہو،
اسی طرح اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت سے جس طرح مردوں کو ڈرایا گیا ہے اسی طرح عورتوں کو بھی
ڈرایا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے :-

وما كان لمؤمن ولا مؤمنة
اذا قضى الله ورسوله امرا
ان يكون لهم الخيرة من امرهم
ومن يعص الله ورسوله فقد
ضل ضلالا مبينا ۵
اور کسی مؤمن مرد اور مؤمن عورت کے لئے یہ سچی نہیں ہے کہ جب
خدا اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دے تو ان کو اپنا حکم
چلانے کا اختیار حاصل ہو اور جو اللہ اور اس کے رسول کی
نافرمانی کرے گا وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گا۔

جماعت کی اہمیت | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کی نماز کو انفرادی نماز پر تیسریں درجہ
فضیلت دی ہے۔ دیگر مذاہب کے مقابلے میں اسلام کا امتیازی نشان یہی ہے کہ دن میں پانچ مرتبہ اور ہفتہ
میں ایک مرتبہ اور سال میں دو مرتبہ تمام مسلمان مرد اور عورتیں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں، اگر آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی جماعت میں شریک نہیں ہوتا تو اس کو منافق تصور کیا جاتا تھا۔ دیکھو
مشکوٰۃ باب الجماعہ وفضلہا الفصل الثالث، حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میرا ارادہ ہو رہا ہے کہ میں آگ
جلانے کا حکم دوں اور پھر کسی کو نماز پڑھانے کا حکم دے کر ان لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز باجماعت میں حاضر
نہیں ہوتے، پھر ان کے گھر میں آگ لگا دوں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر کوئی یہ
جان لے کہ نماز باجماعت کی فضیلت کیا ہے تو وہ فرہ گوشت کا ٹھنڈا اور بجرے کے کھوڑوں کو چھوڑ کر ضرور
عشاء کی نماز میں شریک ہو جائے گا (مشکوٰۃ)۔

اسی باب میں حضرت عبداللہ بن عمر کی یہ حدیث ہے کہ ایک مرتبہ ایک نابینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں تشریف لائے اور کہا اے اللہ کے رسول مجھے مسجد تک لے جانے والا کوئی نہیں لے گا۔ تو کیا ایسی حالت میں میں اپنے گھر پر نماز پڑھ سکتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہاں، اور جبے ذابینا واپس جانے لگے تو انہیں پھر بلایا اور پوچھا کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو؟ ذابینا نے کہا ہاں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر اذان کا بلاوا قبول کر دو۔ یعنی جماعت میں ضرور آؤ۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی کتنی اہمیت ہے یہ سب اہتمام اس لئے کیا گیا ہے کہ مسلمان مرد، عورتیں اور بچے جماعتی فوائد سے محروم نہ رہ جائیں۔

جماعت کے ذریعہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا ایک اہم مقصد لوگوں کی تعلیم و تربیت ہے تمام لوگ تعلیم و تربیت تھے کہ عورتیں اور بچے بھی جماعت میں شریک ہوتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سن کر تعلیم و تربیت حاصل کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نصائح و ارشادات سے مردوں کو جتنا فائدہ پہنچا ہے اتنا ہی عورتوں کو بھی ہوا ہے۔ آپ کی بدولت عورتیں عالم و فقیہ بن گئیں۔ ان سے بیسیوں روایتیں حدیثوں میں موجود ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں حضرت عائشہ، حضرت سودہ بنت زمعہ، حضرت حفصہ بنت عمر، حضرت ام سلمہ، حضرت میمونہ کو بڑی امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ آپ کی صاحب زادیوں میں حضرت فاطمہ کا مرتبہ بہت اونچا تھا، عام عورتوں میں حضرت انس کی والدہ ام سلمہ، ام عطیہ، ام العلاء، ام شریک، ام الدردار، خولہ بنت حکیم، ام ہانی، اسماء بنت ابی بکر، اسماء بنت عمیس، ام حرام، ام کلثوم، ام الفضل بابہ، ریحان بنت معوذہ، فاطمہ بنت قیس، خولہ بنت ثعلبہ، ام ورقہ بنت عبداللہ الانصاریہ، سعدہ بنت سعدہ وغیرہ کا نام گرامی لیا جاسکتا ہے، ان سب پر حضرت عائشہ کو جو فضیلت حاصل ہے وہ اظہر من الشمس ہے ان کا مدینہ کے سات فقیہوں میں شمار ہوتا تھا۔ ان کے متعلق علم کا متفقہ فیصلہ ہے :-

کانت فقیہة عالمة فصیحة
کثیرة الحدیث عن رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم عارفة بایام
العرب و اشعارها۔ لہ

حضرت عائشہ فقیہہ، عالم فصیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والی اور ایام عرب کو اور ان کے اشعار کو جاننے والی تھیں۔

حضرت عائشہ کی بہت سی انفرادی اور مجتہدانہ رائیں تفسیر و حدیث و فقہ میں منقول ہیں شرح
مواہب اللدنیہ الجزء الثالث صفحہ ۲۸۱ پر ہے۔

استقلت عائشة بالقوی زمن ابی بکر و حضرت عائشہ حضرت ابو بکر عمر عثمان اور ان کے بعد
عمر و عثمان و ہلم جراحہ الی ان ماتت۔ بھی اپنی وفات تک مستقل فتوے دیتی رہی ہیں۔
جب باہر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دندا آتے تھے تو ان سے پوچھ کر بہت سی طبی معلوما
حاصل کر لی تھیں اور بہت سی بیماریوں کا خود ہی علاج کر لیتی تھیں۔

اسی طرح حضرت حفصہ نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا اور قرآن مجید کا ایک بہت بڑا حصہ انہیں یاد ہو گیا تھا
حضرت ابو بکر کے زمانے میں قرآن مجید کی تدوین ہوئی تو اس کا نسخہ حضرت حفصہ کے پاس ہی رکھا گیا تھا۔ جن سے
عاریتاً لے کر حضرت عثمان نے اس کی نقلیں کرائیں اور مختلف صوبوں کو روانہ کیا۔

حضرت ام سلمہ بھی قرآن کی ایک بڑی حد تک حافظ ہو چکی تھیں، ان سے کثیر روایتیں منقول ہیں اور فقہی
مسائل کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ان کی روایتوں میں پایا جاتا ہے۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں اور بیٹیوں اور صحابیات سے کثیر روایتیں منقول ہیں، عورتوں
کی تعلیم و تربیت و حقیقت آنحضرت کے پیچھے نماز پڑھنے اور ان کی مجلسوں میں باقاعدہ شریک ہونے ہی کا
نتیجہ ہے۔

عورتوں کی جماعت میں شہرت

عورتوں کی فطری کمزوریوں کی بنا پر اگرچہ آنحضرت نے ان کو اپنے گھر پر رہ کر نماز
پڑھنے کی رخصت دے دی تھی تاہم آپ کے زمانے میں کثرت کے ساتھ عورتیں
جماعت میں شریک ہوا کرتی تھیں اور پیچھے کی صف میں کھڑی ہوتی تھیں، ان کے ساتھ ان کے چھوٹے چھوٹے
بچے بھی شریک ہوتے تھے۔

صحیح بخاری کی حدیث ہے حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں۔

لقد کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھا کرتے
وسلم یصلی العجی فی شہد معاً نساء من تھے آپ کے ساتھ مومن عورتیں بھی حاضر ہوتی تھیں، وہ
المؤمنات متلفعات فی مروطن ما اپنی چادروں میں لپیٹی داپس ہوتی تھیں، کوئی ان کو سپچاٹنا
یعن فہن احد (تجزیہ البخاری جلد اول) نہیں تھا۔

یعنی ابھی اندھیرا ہوتا تھا کہ آپ نماز ختم فرماتے تھے۔ اس اندھیرے کی وجہ سے ان عورتوں کو کوئی پہچان نہیں
سکتا تھا، صحیح مسلم کی روایت ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الصبح فینصرف النساء
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھتے تھے۔
پس عورتیں چادریں اوڑھی ہوئی واپس ہوتی تھیں
متلفعات بہر و طہن مایعرفن من
اندھیرے کی وجہ سے وہ پہچانی نہیں
جاسکتی تھیں۔ (صحیح مسلم کتاب المساجد)

یہ عورتیں صرف فرض نمازوں ہی میں شریک نہیں ہوتی تھیں بلکہ سورج یا چاند گرہن کے موقع پر بھی
جماعت میں شریک ہو جاتی تھیں، چنانچہ صحیح مسلم باب صلوة الکسوف میں حضرت اسماء بنت ابی بکر سے
روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سورج گرہن ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ میں بھی قضائے حاجت کے بعد نماز میں شریک ہوئی، آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے بہت طویل قیام کیا، اتنا کہ مجھ سے کھڑا نہ رہا جا سکا، میں نے میٹھ جانے کا ارادہ کیا، لیکن پھر
دیکھا کہ ایک بڑھیا بھی جو مجھ سے کمزور اور ضعیف تھی نماز میں شریک ہے، اس کو دیکھ کر میری ہمت بڑھ گئی،
اور میں نے نماز پوری کی۔

حضرت عائشہ بھی جماعت کے ساتھ اس نماز میں شریک تھیں، جب حضرت اسماء نے ان سے نماز کی وجہ
دریافت کی تو انہوں نے سر سے آسان کی طرف اشارہ کیا اور سمجھایا کہ سورج گرہن کی وجہ سے یہ نماز ہو رہی ہے۔
نماز میں بچوں کے رونے کی آواز آتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو مختصر کر دیا کرتے تھے، تاکہ عورتوں
کے دلی اطمینان میں کوئی فرق نہ آئے۔ صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی حالت میں کسی بچے کو روتا ہوا سنتے تو نماز کو مختصر کر دیتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتوں کا جماعت میں شریک ہو کر آپ کے پیچھے نماز پڑھنا
ایک مسئلہ امر ہے جس سے انکار کرنے کی کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی، یہ دستور اب تک چلا جا رہا ہے، چنانچہ
آج بھی بے شمار عورتیں مسجد حرام اور مسجد نبوی میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتی ہیں اور کوئی ان کو اس سے
روک نہیں سکتا۔

جماعت میں شرکت کی ترغیب | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اپنے پیچھے عورتوں کو نماز پڑھنے

کی اجازت دی۔ بلکہ مردوں کو عورتوں کے مسجدوں میں آنے سے روکنے سے بھی منع فرمایا۔ امام مسلم نے اپنی کتاب میں عورتوں کے مسجدوں میں جانے سے متعلق ایک مستقل باب باندھا ہے اور اس میں کئی حدیثیں پیش کی ہیں۔ ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا:-

اذا استاذنت امرأة احدكم
الى المسجد فلا يمنعها
و دسری مرتبہ آپ نے فرمایا:-
لا تمنعوا اما الله مساجد
اور ایک مرتبہ فرمایا:-

لا تمنعوا النساء من الخروج
بالليل الى المساجد
اور ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:-

لا تمنعوا النساء حظوظهن من
المساجد اذا استاذنكم۔ (مشکوٰۃ)
سے اجازت طلب کرتی ہیں مت روکو۔

یہاں حظوظہن من المساجد (ان کے مسجدوں کے حقوق) کا فقرہ بہت ہی قابلِ غور ہے اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ مسجدوں میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا عورتوں کا طبعی اور فطری حق ہے، اگر وہ خود ہی اس حق سے دست بردار ہوتی ہیں تو ان کے لئے جائز ہے مگر کوئی دوسرا ان کو اس حق کے چھوڑنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

اس طبعی حق سے دست بردار اسلامی تاریخ میں بعض شہادتیں ایسی بھی ملتی ہیں کہ جب بعض مردوں نے اپنی ہونے سے انکار فطری غیرت کی بنا پر اپنی عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کرنا چاہا تو ان کی عورتوں نے اس حق سے دست بردار ہونے بالکل انکار کر دیا، مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی چچا زاد بہن ماتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل سے ان کے پہلے شوہر عبداللہ بن ابی بکر کے مرنے کے بعد اللہ میں شادی کر لی تھی، وہ بہت خوب صورت تھیں، ہمیشہ مسجد نبوی میں حاضر ہو کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں، حضرت عمر نے ایک دن ان سے کہا میں چاہتا ہوں کہ تم گھر ہی پر رہ کر نماز پڑھو، حضرت ماتکہ نے کہا آپ

عزتِ حکم و بے میں رک جاؤں گی۔ حضرت عمرؓ آنحضرتؐ کے صریح حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے کہا میں کوئی حکم نہیں دے سکتا۔ بلکہ یہ میری دلی خواہش ہے، حضرت عائشہؓ نے کہا تو پھر میں جماعت کی نماز کو ترک نہیں کر سکتی۔ چنانچہ وہ آخر وقت تک جماعت کے ساتھ نماز پڑھتی رہیں، جس دن ابو لؤلؤؓ نے حضرت عمرؓ کو زہر پلانے کا حکم دیا اس وقت حضرت عائشہؓ بھی حضرت عمرؓ کے پیچھے نماز میں شریک تھیں۔

ایک دوسرا واقعہ خود حضرت عمرؓ کے فرزند حضرت عبداللہؓ کا ہے انہوں نے ایک مرتبہ لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پیش کی اور کہا اے لوگو! اللہ کی لونڈیوں کو مسجد میں آنے سے مت روکو۔ سامعین میں سے ان کے بیٹے بلال بھی تھے، انہوں نے جوش میں آکر کہا وَاللّٰهِ لَمَنْعَهُمْ، خدا کی قسم ہم ان کو ضرور روکیں گے۔ یہ سنتے ہی حضرت عبداللہ بن عمر کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور انہیں ایسی گالیاں دیں کہ اس سے پہلے انہوں نے کبھی نہیں دی تھیں حضرت عبداللہ نے بہت ہی جھنجھلا کر کہا میں آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کرتا ہوں اور تم اس کی مخالفت کرتے ہو۔ امام احمدؒ کی مسند میں ہے کہ اس بات پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے بیٹے بلال سے اتنا خفا ہوئے کہ مرتے دم تک ان سے کوئی بات چیت نہیں کی۔

اس سے صاف واضح ہے کہ عورتوں کو مسجد میں آنے سے کوئی روک نہیں سکتا، اگر وہ خود ہی رک جائیں تو یہ اور بات ہے۔

عورت کی امامت | آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں نہ صرف جماعت میں شریک عورتوں کے لئے ہوتی تھیں بلکہ آپؐ کی مجالس و عظمت و نصیحت میں بھی شریک ہوتی تھیں اور آنحضرتؐ کی تعلیمات و ارشادات سے پورا استفادہ کرتی تھیں۔ آپؐ سے براہ راست مسئلے مسائل دریافت کرتی تھیں، اور پھر اپنی دوسری بہنوں اور سہیلیوں کو تعلیم دیتی تھیں۔ آنحضرتؐ کے زمانے میں کبھی اس بات کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ ان کے لئے علیحدہ جماعت اور مسجد قائم کی جائے، تاہم بعض مواقع ایسے بھی پیش آئے ہیں جب کہ عورتیں عورتوں کی امامت کر لیا کرتی تھیں، ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے مغرب کی نماز میں عورتوں کی امامت کی ہے اور بیچ میں کھڑے ہو کر جہر کے ساتھ قرأت کی ہے، انہوں نے نفل نمازوں میں بھی عورتوں کی امامت کی ہے، اسی طرح ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ نے عصر کی نماز پڑھائی ہے اور عورتوں کی امامت کی ہے، اسی طرح رمضان کے مہینہ میں جماعت کے ساتھ عورتوں کی امامت کی ہے اور تراویح کی نماز پڑھائی

ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فتوٰی دے رکھا تھا کہ عورت نفل یعنی تراویح کی نماز پڑھا سکتی ہے اور بیچ میں کھڑے ہو کر ان کی امامت کر سکتی ہے۔ انہوں نے اپنی ایک پڑھی ہوئی لونڈی کو حکم دیا تھا کہ رمضان کے مہینے میں ان کی بیویوں کی امامت کرے۔ اصابہ میں ہے کہ ام ورتہ بنت عبداللہ الانصاری قرآن مجید کی حافظہ تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عورتوں کا امام بنا دیا تھا۔ آپ کی اجازت سے انہوں نے اپنے گھر ہی پر مسجد بنائی تھی۔ جہاں وہ رمضان کے مہینے میں تراویح پڑھایا کرتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک وہ تراویح پڑھاتی رہیں۔ ام ورتہ کے پاس ایک غلام اور لونڈی تھی، ام ورتہ نے ان سے کہہ دیا تھا کہ تم دونوں میری موت کے بعد آزاد ہو، ان دونوں نے جلدی آزادی حاصل کرنے کی غرض سے ام ورتہ پر چادر ڈال کر ان کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ جب اس صبح کو ان کے قرآن سنانے کی آواز سنائی نہیں دی تو حضرت عمرؓ نے ان کے متعلق دریافت کیا، پھر اندر جا کر دیکھا تو بیچارہ چادر میں بیٹی مردہ پڑی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے غلام اور لونڈی کو گرفتار کیا اور بطور قصاص انہیں قتل کروادیا۔

یہ تمام روایات اس بات کا گھلا ہوا ثبوت ہیں کہ عورتیں عورتوں کی امامت کر سکتی ہیں۔ اور قرآن اس بلند آواز سے پڑھ سکتی ہیں کہ دوسرے مرد بھی اس کو سن سکیں۔

عورتوں کی جنگ میں شرکت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں اپنی ضروریات کے لئے باہر جاتی تھیں، باغوں میں جاتی تھیں، کھجور کے پتے اور گھٹلیاں چن کر لاتی تھیں، بازاروں میں جا کر سودا خریدتی تھیں، سفر میں مردوں کا ساتھ دیتی تھیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جنگوں میں بھی شریک تھیں، غزوہ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی حضرت عائشہؓ، آپ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ اور حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمہؓ شریک تھیں۔ صحیح مسلم کتاب السیر والجمہاد میں احد کی جنگ کے سلسلے میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ اور ام سلیمہؓ وامن اٹھائے، لگا کر اور شکیزے لئے زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ جب اس جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے تو حضرت فاطمہؓ نے پانی سے ان کے زخم دھوئے اور حیرت جلا کر اس کی رکھ سے زخموں کا منہ بند کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے خندق کی جنگ میں ایک فتنہ پرداز یہودی کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا، اور جب سلاہ میں نبی قرظیک کی جنگ ہوئی ہے تو حضرت صفیہ، ام عمارہ، ام سلیطہ، ام العلاء، سمیرا، بنت قیس اور سعد بن معاذ کی والدہ کبشہ بنت رافع بن عبیدہ الانصاریہ بھی اس میں شریک ہوئیں (دیکھو شرح مواہب اللدینۃ الجزء الثانی صفحہ ۱۶۵-۱۶۶)

اسی طرح کبیرہ بنت سعید الاسلمیہ خیبر کی جنگ میں شریک رہیں حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیم غزوہ حنین میں شریک ہوئیں۔ انھوں نے ایک تیز دودھاری خنجر تیار کیا تھا، ام سلیم کے شوہر ابو طلحہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپ کے پوچھنے پر ام سلیم نے کہا یا رسول اللہ میں نے یہ خنجر اس لئے تیار کیا ہے کہ اگر کوئی مشرک میرے قریب آئے تو اس سے اس کا پیٹ پھاڑ ڈالوں۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے۔ صحیح مسلم کتاب السیر والجمہاد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جباد پر جاتے تو ام سلیم اور انصاء کی چند عورتوں کو بھی ساتھ لے جاتے تاکہ وہ مجاہدین کو پانی پلائیں اور زخمیوں کا علاج کریں۔ انصار کی عورتوں میں ام عطیہ نسیبہ بنت کعب بہت نامور تھیں اکثر غزوات میں شریک رہیں۔ زخمیوں کی مرہم پٹی میں انہیں بڑی مہارت حاصل تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی خلفائے راشدین کے زمانے میں عورتیں جنگ میں شریک ہوتی رہی ہیں۔ جب یروک کی لڑائی میں بلغمسان کارن پڑا ہے اور کچھ مسلمان سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے تو نولہ نامی ایک عورت نے خیمہ کی ایک کھونٹی اکھاڑ لی اور رومیوں پر حملہ شروع کیا، انھوں نے یہ مشہور شعر پڑھ کر مسلمان سپاہیوں کو آگے بڑھا شروع کیا:-

یا ہا ریا عن نسوة لقیات رسمیت بالسہم وبالمنیات

(اے پرہیزگار عورتوں کو چھوڑ کر بھاگنے والے تو تیسر اور موت سے مارا جائے)

تقدوسیہ کی جنگ میں عرب کی مشہور خطیب اور شاعرہ خنساء بھی شریک ہوئی تھیں جن کے خطبے تاریخ و ادب کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

جنگ جمل کے موقع پر حضرت عائشہؓ کے ساتھ اور بہت سی عورتیں شریک ہوئی تھیں اسی طرح صفین کی جنگ میں سوودہ بنت عمارہ بن الاثر الجعدانیہ، ام سان بنت خلیثمہ، بکارۃ البلاغیہ عکرمہ بنت اللہش ام انخیر بنت الحریث اور زرقاء بنت عدی بن قیس الہمدانیہ جیسی عورتیں شریک ہوئی تھیں۔ ان کے پر زور خطبے اور فقرے ادب کی کتابوں میں منقول ہیں۔

عورتوں کے لئے علیحدہ مکتب اور | اسلام کی ابتدائی تاریخ پر نظر ڈالنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ
مدرسہ قائم نہ ہونے کی وجہ | عورتیں مردوں کے دوش بدوش کچھ اس طرح کام کرتی تھیں
کہ ان کے لئے علیحدہ مکتب اور مدرسہ سے قائم کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی، وہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس و عظ و نصیحت میں شریک ہوتی تھیں اور ان کو دل و دماغ میں محفوظ کر لیتی تھیں۔ انہیں کسی مدرسے میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی، گھروں میں چھوٹے چھوٹے مکتب تھے۔ جہاں بچیاں قرآن مجید پڑھ لیتی تھیں ان کا اپنا گھر ہی مکتب اور مدرسہ تھا۔ صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ کو پیش کرتے تھے اور عورتیں اور بچے ان سے سیکھ کر اپنی زندگی درست کر لیتے تھے، گھر کا کام کاج سنبھالنے کے سوا عورتوں کا کچھ اور کام نہیں تھا انہیں خود کھانے کی ضرورت نہیں تھی، مرد ان کے خرچ و اخراجات کے کفیل تھے مسلمانوں کی روز افزوں دولت نے معاش کی طرف سے ان کو نارغ البال بنا دیا تھا۔ اکثر عورتیں اپنے گھر ہی پر نماز پڑھ لیا کرتی تھیں، بعض مسجدوں میں جاتی تھیں اور حکومت کی طرف سے مقررہ امام کے پیچھے نماز ادا کر لیا تھیں، اس زمانے میں یہ مسئلہ ہی پیدا نہیں ہوا کہ عورتوں کے لئے کوئی علیحدہ مسجد یا مدرسہ قائم کیا جائے۔

لیکن زمانہ جیسا گذرتا گیا عورتیں گھروں ہی پر رہنے لگیں۔ مردوں نے اپنی مردانہ غیرت و حمیت کے پیش نظر ان کو مجامع عام کی شرکت سے روکنا شروع کر دیا اور اس سلسلہ میں بعض ایسی حدیثیں پیش کی جانے لگیں جو محض بعض کی ذاتی رائے تھی مثلاً صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ میں حضرت عائشہؓ کی جھنجھی عمرہ بنت عبدالرحمن کی یہ روایت کہ حضرت عائشہؓ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ مشاہدہ فرماتے کہ عورتوں نے کیسی کیسی نئی باتیں پیدا کر رکھی ہیں تو آپ ضرور ان کو مسجد میں آنے سے منع فرمادیتے، جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا۔

یہ درحقیقت حضرت عائشہؓ کا ایک ذاتی تاثر تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی دولت کی وجہ سے ان کے لباس اور وضع و قطع میں پرانی سادگی باقی نہیں رہی تھی، عورتیں زیب و زینت کی طرف زیادہ مائل ہو چکی تھیں، اور ایسا ہونا درحقیقت تمدن کی ترقی کا لازمی نتیجہ تھا، اسی کا خیال کر کے بعض علماء عورتوں کو مسجدوں اور مجامع عام سے روکنے پر آمادہ ہو گئے۔ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے فقہاء نے اسی بنا پر عورتوں کی امامت کو مکروہ قرار دیا ہے اور یہی فتویٰ فتنہ حسنی کی اکثر کتابوں میں نقل ہو گیا، چنانچہ آج تک اسی فتوے کی پیروی میں عورتوں کی امامت کو مکروہ قرار دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

ابن حنبل کی تنقید | جب پانچویں صدی ہجری میں عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روکنے کا سوال پیدا

ہوا تو ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم المتوفی ۳۵۶ھ نے ان حدیثوں پر سخت تنقید کی اور صاف لکھا ہے :-

وقد اتفق جميع اهل الامرض ان
رسول الله صلى الله عليه وسلم
يمنع النساء قط عن الصلوة معه في
مسجده إلى ان مات عليه السلام ولا
المخلفاء الراشدون بعدة فصحة انه
عمل غير منسوخ -

تمام روئے زمین کے لوگ اس بات پر
متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے عورتوں کو اپنی مسجد میں اپنے ساتھ نماز
پڑھنے سے ہرگز نہیں روکا۔ آپ کی وفات
تک یہی عمل رہا اور نہ آپ کے بعد خلفاء
راشدین نے اس سے روکا، پس صحیح یہی ہے
کہ یہ عمل غیر منسوخ ہے۔

(المحل الثالث ۱۳۸)

ابن حزم تو صاف لکھتے ہیں :-

والأشار في حضور النساء صلاة الجماعة
مع رسول الله صلى الله عليه وسلم متواترة
في غاية الصحة لا ينكر ذلك إلا
جاهل - (المحل الثالث ۱۹۸)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عورتوں
کے نماز باجماعت میں حاضر ہونے کے متعلق اتنی
متواتر اور حد درجہ صحیح حدیثیں ہیں کہ ان کا انکار
صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو جاہل ہے۔

ابن حزم نے عورت کی امامت، اذان اور اقامت کے مسئلے پر کئی جگہ بحث کی ہے۔ انھوں نے بتایا
ہے کہ صحابہ و تابعین کا فتویٰ اسی پر تھا کہ عورت عورتوں کی امامت کر سکتی ہے اور یہی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھا
سکتی ہے۔

ابن حزم نے یہاں تک لکھا ہے کہ عورتوں پر اذان اور اقامت واجب نہیں ہے لیکن اگر وہ اذان اور
اقامت کہنا چاہیں تو یہ بہتر ہی ہے :-

ولا اذان على النساء ولا اقامة فان
اذن واقمن فحسن - (المحل الثالث ۱۲۹)

عورتوں پر نہ تو اذان واجب ہے اور نہ اقامت
پس اگر وہ اذان اور اقامت کہیں تو یہ اچھا ہی ہے۔

پھر قبہ کی تقلیدی رائے اور ان کے دلائل کی تردید کرتے ہوئے کہ عورتیں نہ تو فرض نماز میں اور نہ
نوافل میں عورتوں کی امامت کر سکتی ہیں۔ لکھتے ہیں :-

وہذا قول لا دلیل علی صحتہ و
 خلاف لطائفہ من الصحابۃ
 لا یعلم لہم من الصحابۃ رضی اللہ
 عنہم مخالف و ہم یشتبون
 ہذا اذا وافق تقلیدہم۔
 اور فقہاء کا یہ قول ایسا ہے کہ اس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں
 ہے اور صحابہ کی ایک جماعت کے قول کے خلاف بھی ہے اور
 صحابہ کا یہ قول ایسا ہے کہ اس میں کسی صحابی کی مخالفت موجود
 نہیں ہے، یہ لوگ اس قسم کی خبروں کو محض اس لئے شہرت
 دیتے ہیں کہ یہ ان کی تقلیدی رائے کے موافق ہے۔

جب پانچویں صدی ہجری میں ہی یہ فتویٰ قابل قبول نہیں ہو سکا تو آج کی جدید ترقی یافتہ دنیا کیوں کر اس
 فتوے کو قبول کر سکتی ہے ؟

سماجی نقائص کا تعلیم و تعلم اور تربیت کے لحاظ سے اسلام مردوں اور عورتوں کو یکساں درجہ دیتا
 اسلام ذمہ دار نہیں ہے، علم کا حاصل کرنا جیسا مردوں پر فرض ہے ویسا ہی عورتوں پر بھی فرض ہے۔
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

طلب العلم فرضیۃ علی
 کل مسلمہ و مسلمة
 علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر
 مسلمان عورت پر فرض ہے۔

اسلام یہ چاہتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں خدا کے نیک بندے بنیں اور ان تمام اوصافِ حسنہ سے
 متصف ہوں جن کی تفصیل آیات المسلمین والمسلمات الخ کی آیت میں پیش کی گئی ہے مگر امتدادِ زمانہ سے
 مسلمانوں کی زندگی کچھ اس طرح ڈھل گئی کہ عورتیں زندگی کی دوڑ میں مردوں سے پیچھے ہو گئیں ان کے لئے یہ
 ضروری نہ رہا کہ وہ مردوں کے دوش بدوش علم حاصل کریں اور قوم اور وطن کی اعلیٰ پیمانے پر خدمت انجام
 دیں، ان کا کام صرف اتنا ہی رہ گیا تھا کہ وہ اپنے گھروں پر رہ کر مردوں کی اطاعت و فرماں برداری کریں،
 اپنے بال بچوں کی نگرانی اور حفاظت کریں اور گھر کا کام سنبھالیں، ان سے اتنی ہی توقع کی جاتی تھی وہ صحیح طور
 پر کلمہ پڑھ سکیں اور نماز و روزے کی پابند رہیں اور اپنے اخلاق کو سنوارنے کی کوشش کریں، چنانچہ ان کی تعلیم
 قرآنِ ناظرہ اور چند فقہی مسائل کے جاننے سے آگے نہیں بڑھ سکی مرد بچوں کے لئے تو بیسیوں اور سینکڑوں مدرسے
 قائم کئے گئے مگر عورت بچیوں کے لئے گنتی کے چند مدرسے بھی قائم نہ ہو سکے، اگر کہیں ان کے لئے مدرسے
 قائم ہوئے بھی تو ان کا معیار مرد بچوں کے مدرسوں جیسا نہیں ہو سکا۔ مسلمانوں کے یہ سماجی نقائص خود ان
 کے پیدا کردہ ہیں۔ اسلام ان کا ذمہ دار نہیں ہے۔

ہرنی تحریک اصلاح | حقیقی بات تو یہ ہے کہ ہمارے عوام تنگ نظر علماء کے زیر اثر ہر دور میں ہرنی بات کی مخالفت کی مخالفت کرتے چلے آئے ہیں، آج سے تقریباً سو سو سال پیشتر اسی شہر

مدرسہ اور اس کے اطراف و اکناف میں ایک عام خیال اور عقیدہ یہ تھا کہ عورتوں کو لکھنا سکھانا حرام ہے جو لڑکی لکھنا سکھانا چاہتی اس کو سخت تنبیہ کی جاتی تھی، اس سلسلے میں کئی من گھڑت دلیلیں پیش کی جاتی تھیں، ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ دین اسلام بھی اسی عقیدے اور خیال کی تائید کرتا ہے۔ مگر اس وقت ہمارے اس شہر کے مشہور عالم مولانا مولوی محمد صبغۃ اللہ نے جو قاضی بدرالدولہ کے عرف سے مشہور ہیں اس موضوع پر عربی زبان میں ایک رسالہ "تعلیم النساء" کے نام سے لکھا جس میں عورتوں کو لکھنا سکھانے کے جواز پر بہت سی شرعی دلیلیں پیش کی ہیں، پھر بھی عوام نے ان کی دلیلوں کو نہیں مانا، اس غلط خیال کو دور کرنے کے لئے یہاں کے مصلحین کو بڑی جدوجہد کرنی پڑی۔

اس کے بعد خود تعلیم کا مسئلہ کھڑا ہوا، مسلمانوں کے مدرسے عام طور پر دینی اور یونانی عقلی علوم پر مشتمل تھے جہاں عربی ادب تفسیر، حدیث، فقہ، اصول منطق، فلسفہ اور علم کلام کی تعلیم دی جاتی تھی، اور وہ بھی مردوں کی حد تک پڑھانا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ عورتیں فرض کفایہ میں داخل تھیں، حالانکہ جہالت ہی عورتوں کے لئے سب سے بڑی آفت تھی، اگر صحیح تعلیم نہ ہو تو وہ ہمہ قسم کے بے بنیاد عقیدوں اور نظریوں کا شکار ہو جاتی تھیں، بھوت پریت، جن اور غیبت ٹونا اور ٹوٹنا، جھاڑ بھونک، سحر اور جادو، غرض دنیا کی بے بنیاد سے بے بنیاد چیز ایسی نہیں ہوتی جو ان کی امیدوں کا سہارا نہ ہوتی ہو، اگر سچے کی طبیعت بگڑی تو فوراً خیال کیا کہ اس کو سایہ ہو گیا ہے، کسی کے پیر میں موچ آگئی تو کہہ دیا کہ اس کو نظر لگ گئی، خفقان ہو گیا تو تصور کر لیا کہ اس پر جادو اور سحر ہو گیا ہے، باقاعدہ طبی علاج کرنے کے بجائے نمک مرچ سر پر سے دار کر چولہے میں پھینکا جاتا تھا، بدن پر سیل کا بٹہ پھیرا جاتا تھا اور اس کو زمیں پر پٹکا جاتا تھا۔ کسی پیر یا بھاری کے پاس پہنچ کر اس کو نیم کے پتوں سے جھاڑا جاتا تھا۔ غرض کون سا احمقانہ فعل ایسا ہے جو ایسے موقعوں پر نہ کیا جاتا ہو، پچھل صدیوں میں یہ جہالت عام تھی اور اب تک اس کے آثار پائے جاتے ہیں کسی کو یہ احساس نہیں ہو سکا کہ یہ سب جہالت کا نتیجہ ہے اگر احساس پیدا بھی ہو تو عورتوں کو حقیقی تعلیم دینے کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی، ہر جگہ مردوں کے لئے تو کئی عربی و دینی مدرسے قائم کئے جلتے رہے مگر عورتوں کے لئے اعلیٰ معیار کا ایک مدرسہ بھی قائم کرنے کی کوشش نہیں کی گئی، اس افسوس ناک حالت کا جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔

اور جب دینی علم کے ساتھ ذہنی علوم کے حصول کی ترغیب دی گئی تو مخالفت کا وہ طوفان اٹھا کر الامان و الخفیظہ اس وقت حامیانِ علومِ جدیدہ پر کفر کے فتوے لگائے گئے اور مسلمان نوجوانوں کو ان سے روکنے کی کوشش کی گئی مگر ملک کے مصلحین نے بروقت اس کے متعلق تنبیہ کی اور ان کو ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی، تا آن کہ وقتاً نوسیت اور تعصب کا بادل چھٹتا گیا اور علومِ جدیدہ کی روشنی نمایاں ہوتی گئی، ملک بھر میں کئی اسکول قائم ہوئے پھر ان کے لئے کالج کھولے گئے اور پھر یونیورسٹیوں کے اندر اعلیٰ تعلیم کی انہیں رغبت دلائی گئی، رفتہ رفتہ مسلمان لڑکے ان علومِ جدیدہ کی طرف مائل ہوتے گئے اور اب ایک بڑی تعداد ان علوم کو حاصل کر رہی ہے۔

لڑکیاں ابتدا میں نہ تو ان علوم کی طرف مائل تھیں اور نہ ان کو ان کے حاصل کرنے کی طرف رغبت دلائی جاتی تھی، مگر جب ان کے لئے چھوٹے چھوٹے انگریزی مدرسے قائم ہو گئے تو ذہین لڑکیاں خود بخود آگے بڑھنے لگیں جب وہ ایس ایس ایل سی تک پہنچ چکیں تو ان کے اندر کالج میں داخل ہو کر پڑھنے کا جذبہ بھی پیدا ہو گیا۔ مدراس میں مسلمان لڑکیوں کے لئے بارٹس گرس ہائی اسکول قائم تھا جہاں وہ تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ دوسرے اسکولوں میں بھی ان کو داخلہ دیا جاتا تھا۔ ایس ایس ایل سی کے بعد وہ اکثر گورنمنٹ کالج فار مینم گرس میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کرنے لگیں یہی کالج بعد میں ایجنرا کالج ہو گیا جہاں دس سال تک پڑھ سکتی تھیں کی حیثیت سے پڑھائی جاتی رہی ہے۔ اس پرائیویٹ کالج کے ارباب اقتدار نے اچانک یہ فیصلہ کیا کہ اس کالج سے اردو ختم کر دی جائے۔ مسلمانوں نے اس کے خلاف بہت کچھ احتجاج کیا مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو سکا۔ اردو لکچرار کو ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا۔ لڑکیاں مجبوراً مینٹل کالجوں میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کرنے لگیں، لیکن جیسے جیسے ان کی تعداد بڑھنے لگی ان سرکاری اور غیر سرکاری کالجوں کے دروازے ان مسلمان لڑکیوں پر بند ہوتے چلے گئے۔ اس شدید ضرورت کا احساس کر کے سدرن انڈیا ایجوکیشن ٹرسٹ مدراس نے جنوری ۱۹۵۵ء میں ایک دینمس کالج قائم کیا جہاں ان مسلمان لڑکیوں کے لئے ہر قسم کی آسانی فراہم کی گئی۔ گذشتہ گیارہ سال میں اس کالج نے جو حیرت انگیز ترقی کی ہے وہ ہر حیثیت سے قابلِ تعریف ہے۔ کئی عمدہ اور نفیس عمارتیں باقاعدہ ترتیب کے ساتھ تعمیر ہو چکی ہیں۔ عمدگی اور نفاست کے لحاظ سے ملک بھر میں ان کا کوئی جواب نہیں ہے۔

اس کالج کے وجود میں آنے کے بعد مسلمان لڑکیوں کے لئے بہت سی سہولتیں پیدا ہو گئی ہیں، اور

اب وہ لڑکیاں زندگی کی دوڑ میں مردوں کے دوش بدوش جدید علوم سے آراستہ ہونا چاہتی ہیں، کس کی طاقت ہے کہ ان کو آگے بڑھنے سے روکے۔

دینی اور دنیوی علوم کی | اگر مسلمانوں میں دور بینی اور بصیرت ہوتی تو وہ دینی اور دنیوی علوم کی تمیز اور ان کے
تمیز اور ان کا فرق | فرق کو ابتدا ہی سے مٹا دینے کی کوشش کرتے، مگر ایسا نہیں ہوا۔ ایک طرف حکومت
وقت اور اس کے ہم نوا علوم جدیدہ کو پھیلانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے تو دوسری طرف تنگ نظر علماء،
تدیم شرعی علوم اور عقلی فنون کو پڑھانے کا انتظام کر رہے تھے، ان دونوں قسم کے تعلیم یافتہ لوگوں میں جو طبیعی
خلقا پیدا ہو رہا تھا، اس کو پاٹنے کی کوئی کوشش نہیں ہو رہی تھی، ہمارے علماء یہ سمجھتے تھے اور اب تک یہی
سمجھتے ہیں کہ دینی علوم کی تحصیل ہی ہماری نجات کی ذمہ دار ہے، علوم جدیدہ کے حامی یہ خیال کرتے ہیں کہ
ان کے حصول کے بغیر ہم مسلمان زندگی کی دوڑ میں دوسروں سے بازی نہیں لے جا سکتے، ایک طرف گفتی کے
چند عربی دینی مدرسے قائم ہیں جہاں طلباء کی تعداد سو سو یا زیادہ سے زیادہ دوسو کی ہے، دوسری طرف
انگریزی کے مدرسے اور کالج ہیں جہاں سینکڑوں کی تعداد میں طلبہ تعلیم پا رہے ہیں، ان دونوں کی طبیعتوں
آرزوؤں، حوصلوں اور امنگوں کے درمیان جو زبردست فرق پایا جاتا ہے اس کو ہر صاحب نظر پوری طرح
محسوس کر سکتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے عربی طلبہ جب تک مدرسے کی چہار دیواری میں رہتے ہیں،
آئندہ زندگی کی تکالیف سے واقف نہیں ہوتے اور جب پڑھ کر باہر آتے ہیں تو ان کے سامنے سب سے
پہلا سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ اب ہم کیا کریں؟ ان کی دوڑ امامت اور خطابت یا مدرسے سے آگے نہیں
بڑھ سکتی، بعض نے ان آنے والے مصیبتوں کا احساس کر کے یونانی طب کی طرف توجہ کی، مگر آج کی جدید
طب کی ترقی نے انہیں بھی اس میدان میں شکست فاش دے دی ہے۔

جدید نظام تعلیم | یہ جدید نظام تعلیم جو اس وقت ملک میں چل رہا ہے درحقیقت یورپ کا پیدا کیا ہوا ہے۔
کے نتائج | یہ نہ صرف ہندوستان ہی میں رائج ہے بلکہ تمام اسلامی ملکوں میں بھی رائج ہو چکا ہے اور
ہو رہا ہے اس نظام تعلیم سے جہاں بہت سے عقیدوں اور نظریوں کو زبردست ٹھیس لگی ہے وہاں مختلف
اقوام کی تدیم عادات و اطوار کو بھی بدل کر رکھ دیا ہے، اس نظام تعلیم کے اثرات سے مسلمان بھی محفوظ نہیں
رہ سکے۔ عام مسلمانوں کی خواہش اور زبردست خواہش یہی تھی کہ ان کی عورتیں اور لڑکیاں پردے میں بیٹھی
رہیں مگر ملک کے تعلیمی اور سماجی انقلاب نے انہیں علوم جدیدہ کے حاصل کرنے پر مجبور کر دیا۔ تاکہ وہ

اپنے آپ کو اس قابل بنالیں کہ اپنا پیٹ پانے کی خاطر کسی کی محتاج نہ ہوں، یہاں جو پردہ رائج تھا، وہ اسلامی پردہ نہیں تھا، اسلامی پردہ یہی تھا کہ عورتیں اپنا بدن ڈھانپیں اور اپنا چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھیں اور پھر اپنی ضروریات کے لئے باہر جائیں اور جو چاہیں کام کریں، صحیح پردہ وہی ہے جو آج حج کے دنوں میں مکہ اور مدینہ میں پایا جاتا ہے مگر چونکہ یہاں مخلوط نظام تعلیم رائج ہو چلا تھا اس لئے یہ قدیم رواجی پردہ بھی بہت دنوں تک قائم نہیں رہ سکا، لڑکیاں دھیرے دھیرے قدیم رواجی پردے کو چھوڑ کر عام مکل لباس اختیار کرنے لگیں، اور آج تعلیم یافتہ لڑکیوں میں قدیم برقعہ والا پردہ بہت کم پایا جاتا ہے، اور اب وہ عورتیں بھی اس کو چھوڑنے پر آمادہ نظر آ رہی ہیں جو ان فلاس اور تنگ دستی کی مصیبتوں کو برداشت کرنا نہیں چاہتیں۔ اس قدیم رواجی پردے کی وہی حمایت کر سکتا ہے جو عقیدتاً اس کا حامی ہو یا اتنا نارغ البال اور خوش حال ہو کہ اپنی بیوی اور لڑکیوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک گاڑی میں بٹھانے کا انتظام کر سکتا ہو، عام اور متوسط طبقے کی عورتیں پردہ کے غیر ضروری اخراجات کی متحمل نہیں ہو سکتیں، وہ قدیم رواجی پردے کے ساتھ آج کی تیز رفتاریوں، بسوں اور ہوائی جہازوں میں سفر نہیں کر سکتیں، اگر یہ قدیم پردہ ٹوٹتا ہے تو اس کا الزام کسی عمر اور بچہ کے اوپر نہیں ہے بلکہ جدید تمدن اور جدید علوم و فنون کی ترویج کا لازمی نتیجہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مصر جیسے اسلامی ملک میں جہاں دینی اور شرعی علوم کے سرچشمے بہتے ہیں یہ قدیم رواجی پردہ قائم نہیں رہ سکا۔ تمام نوجوان لڑکیاں باہر آچکی ہیں اور کسی کے روکے سے نہیں رک رہی ہیں اور جب مصری حکومت نے کہیں لڑکیوں کو علیحدہ رکھنا چاہا تو خود لڑکیوں نے اس کے ماننے سے انکار کر دیا، مثلاً ۱۹۵۷ء میں اسیوٹ میں نئی یونیورسٹی قائم ہوئی اور لڑکیوں کو لڑکوں کے پیچھے کلاس میں بیٹھنے کی تاکید کی گئی تو پہلے ہی دن ایک لڑکی سامنے آ بیٹھی، جب اُستاد نے قانون کے مطابق پیچھے بیٹھنے کی تاکید کی تو اس لڑکی نے اس قانون کی پیروی کرنے سے بالکل انکار کر دیا۔ معاملہ اس یونیورسٹی کے وائس چانسلر جنرل کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے بلاکہ تحقیق کی۔ لڑکی کے دلائل سننے کے بعد جنرل نے فیصلہ کر دیا کہ اگر لڑکیاں اس قانون کو نہیں مان رہی ہیں تو حکومت وقت انہیں اس قانون کے ماننے پر اصرار نہیں کر سکتی۔ چنانچہ پہلے ہی دن یہ قانون ٹوٹ گیا۔ وہاں لڑکیاں ہر ایک جدید علم و فن میں لڑکوں کے برابر ہوتی حاصل کر رہی ہیں، خود علماء کی لڑکیاں ڈاکٹری اور انجینئرنگ کالجوں میں تعلیم حاصل کر رہی ہیں اور بے پردہ

کلاسوں میں حاضر ہو رہی ہیں۔ جب علماء ہی اپنی لڑکیوں کو جدید اعلیٰ تعلیم کے حاصل کرنے سے روک نہیں سکتے تو عوام کس طرح اپنی لڑکیوں کو روک سکتے ہیں۔ اگر بعض مسلمان اس جدید صورت حال سے خفا ہیں تو اپنے گھروں پر بیٹھ کر اس صورت حال کا ماتم کریں۔ لیکن انھیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس صورت حال کو بدلنے کی ان کے پاس ہرگز ہرگز کوئی طاقت اور قوت نہیں ہے۔

مسجد اخلاقی تربیت کا موجودہ زمانے میں جب کہ دینی اور اخلاقی تعلیم اسکولوں اور کالجوں کے نصاب ایک بڑا مرکز ہے | تعلیم سے خارج ہو چکی ہے ہیں اس کے انتظام کی کوئی مناسب شکل نکالنی چاہیے،

اس وقت دینی اور اخلاقی تربیت کے لئے مسجد سے بڑھ کر دوسرا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے، مدرسہ اور مسجد کا رشتہ بہت ہی قدیم رشتہ ہے یہ کوئی نیا نظریہ نہیں ہے بلکہ بہت قدیم اور پرانا نظریہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات و ارشادات کا مرکز مسجد نبوی ہی تھی، حضرت امام مالکؒ مسجد ہی میں بیٹھ کر حدیث کا درس دیا کرتے تھے، مصر کا قدیم ترین جامعہ ازہر مسجد ہی کے ساتھ ملحق تھا۔ دمشق کی جامع مسجد میں دہاں کا مشہور عربی مدرسہ کام کر رہا تھا۔ بغداد کی جامع مسجد میں عربی کا بہترین مدرسہ قائم تھا۔ ہندوستان میں بھی جتنے عربی مدرسے یکے بعد دیگرے قائم ہوئے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک مسجد ملحق تھی، علی گڑھ میں انگریزی کالج قائم ہوا تو سر سید احمد خاں مرحوم نے اس کے احاطے میں ایک شاندار مسجد تعمیر کی۔ مدراس میں مدرسہ اعظم اور پھر محٹون کالج قائم ہوا تو اس کے احاطے میں ایک مسجد ضرور بنائی گئی۔ دانتھاری میں اسلامیہ کالج قائم ہوا تو اس سے قریب ایک شاندار مسجد تعمیر کی گئی، کرنول میں عثمانیہ کالج قائم ہوا تو اس سے قریب ایک مسجد بھی موجود تھی۔ ابھی حال میں مدراس میں نیو کالج قائم ہوا تو اس کے احاطے میں ایک مسجد لازم تصور کی گئی اور پھر ترچنپلی میں جمال محمد کالج قائم ہوا تو اس کے احاطے میں ایک عظیم الشان مسجد بنائی گئی، اور جب لڑکیوں کے لئے مدراس میں ایس۔ آئی۔ ای۔ ٹی کالج قائم ہوا تو ایک شاندار مسجد کی ضرورت سے کسی کو کیا انکار ہو سکتا ہے، ہم مسلمانوں کو خوش ہونا چاہیے کہ جو اصلاحی کام ماں باپ کے ہاتھوں سے نہیں ہو رہا ہے وہ ایک ادارے اور کالج کے ذریعے انجام پاتا ہے، ہم سب کو عالی جناب الحاج جسٹس بشیر احمد صاحب مدنی اور ان کی اہلیہ محترمہ الحاجہ فاطمہ اختر صاحبہ اور مجلس منتظمہ کے اراکین کا بے حد شکر گزار ہونا چاہیے کہ انھوں نے نہ صرف وقت کی ایک اہم ضرورت کو محسوس کیا بلکہ اس کو پورا کر کے دکھایا ہے۔ یہ مسجد نہ صرف شاندار ہے بلکہ موجودہ فن تعمیر کا ایک بہترین شاہکار بھی ہے، اس موقع پر ہم ان سب کی خدمات میں دلی مبارکباد پیش کرتے

ہوئے ایک اہم ضروری بات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔

مسجد کا انتظام لازمی طور پر | ظاہر ہے کہ یہ مسجد لڑکیوں کی دینی اور اخلاقی تربیت کے لئے بنائی گئی ہے، یہاں لڑکیوں کے ہاتھ میں ہونا چاہیے | مردوں کا کوئی دخل نہیں ہونا چاہیے، ہمارا روزمرہ کا تجربہ اس بات کا شاہد

ہے کہ نوجوان یا بوڑھے مردان لڑکیوں کی اتنی اصلاح نہیں کر سکتے جتنی کہ خود لڑکیاں اپنی اور اپنی بہنوں کی اصلاح کر سکتی ہیں، جناب بشیر احمد صاحب سعید نے گزشتہ چند سالوں میں خارجی اوقات میں دینی اور اخلاقی لکچروں کا انتظام کیا تھا، اور چند مخصوص علماء کو یہاں آکر دین اور اخلاق کے موضوعات پر تقریریں کرنے کی دعوت دی تھی، یہ لوگ چند گھنٹوں کے لئے یہاں آتے ہیں اور پھر تقریریں کر کے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں، ان کا ان لڑکیوں پر کوئی دیر پا اثر نہیں پیدا ہوتا۔ یہ لڑکیاں بسا اوقات ایک کان سے سنتی ہیں اور دوسرے کان سے نکال دیتی ہیں، اس لئے اذان، اقامت، امامت، خطابت وغیرہ کی ذمہ داریاں تمام ترائیسی لڑکیوں پر ہونی چاہئیں جو دن بھر ان کے ساتھ رہتی ہیں۔ جب یہ ذمہ داریاں ان پر عائد کی جائیں گی تو وہ لازمی طور پر اسلام اور اس کی تعلیمات کو بخوبی سمجھ کر اپنی بہنوں کے درمیان ان کو اشاعت کرنے پر آمادہ ہوں گی۔ جتنی مشہور ہے چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ ہر ایک ذمہ دار لڑکی دوسری لڑکی کے لئے شمسِ ہدایت کا باعث ہوگی۔ اس طرح دینی اور اخلاقی اصلاح کی وہ آواز جو مردوں کے ذریعہ بے سود دکھائی دیتی ہے، لڑکیوں ہی کے ذریعہ بے حد مفید اور سود مند ثابت ہوگی۔ آج وقت آگیا ہے کہ ہم مسلمان تنگ نظری کے جنجال سے باہر نکلیں اور اس قسم کے قومی دینی اور ملی مسائل پر کھلے ہوئے دل و دماغ سے غور کریں۔

بعض شبہات کا ازالہ | عورت عورت کی امامت کر سکتی ہے اس مسئلہ میں صحابہ اور تابعین کا کول اختلاف نہیں ہے جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں، اب رہا عورت کا اذان اور اقامت کبنا یا خطبہ دینا تو اس کے متعلق ابن حزم اپنا قطعی فیصلہ دے چکے ہیں جس کو اوپر بیان کیا جا چکا ہے اس کے باوجود بعض لوگوں کے دلوں میں چند شبہات پیدا ہوتے ہیں جن کا ازالہ ضروری ہے۔

ایک زبردست شبہہ یہ کہ عورت کی آواز خود اس کی ذات کی طرح محرم ہے، غیر محرم کو اس کی آواز سنا حرام ہے۔ یہ محض ایک شبہہ ہے جس کی کوئی بنیاد یا دلیل نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانے میں لڑکیوں اور عورتوں کی آواز کبھی محرم نہیں سمجھی گئی، تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر کے آئے تو انصار کی لڑکیاں دف بجا کر خوشی کے گیت گانے لگیں، انصار

کی عورتوں نے یہ مشہور گیت گائے تھے :-

طلع البدر علينا من ثنيات الوداع
وجب الشكر علينا ما دعا لله داع

ترجمہ: ہم پر وداع کی گھاٹیوں سے بدر طلوع ہوا، ہم پر شکر واجب ہے جب تک بلانے والا اللہ کی طرف بلائے،
ان گیتوں کو نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا بلکہ مدینہ کے تمام مسلمانوں نے سنا ہے اگر عورت
کی آواز محرم ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوراً ان کو روک دیتے۔

صحیح بخاری میں ریح بنت معوذ کی حدیث ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ جب میری شادی ہوئی تو لڑکیاں مل
کردن بجانے لگیں اور وہ اشعار گانے لگیں جو میرے باپ دادا کے مرتبہ میں کہے گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم بھی ان اشعار کو سن رہے تھے، اور جب لڑکیاں یہ شعر پڑھنے لگیں :-
وفينا نبي يعلم ما في غد
اور ہمارے اندر ایک نبی ہے جو کل کی بات کو جانتا ہے۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ہی ٹوکا اور فرمایا اس طرح مت کہو بلکہ وہی کہو جو تم پہلے کہہ رہی تھیں۔
(صحیح بخاری کتاب المغازی غزوہ بدر)

عید کے دن صحیح مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ کے پاس چند لڑکیاں بیٹھ کر جنگ بعات کے اشعار
دف پر گاد رہی تھیں، آپ منہ پھیرے ہوئے ان کو سن رہے تھے۔ اتنے میں حضرت ابو بکر تشریف لائے، انہوں
نے خفا ہو کر ان لڑکیوں کو ڈانٹا اور کہا یہ شیطانی گانا اور وہ بھی رسول اللہ کے گھر میں، آنحضرت پلٹ پڑنے
اور کہا اسے ابو بکر ان کو چھوڑ دو۔ ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔ (صحیح مسلم کتاب
صلوٰۃ العیدین)۔

یہ ہر شخص جانتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں آپ کے پاس آتی تھیں اور آپ
سے کبھی کبھی بحث و مکرار کرتی تھیں، خولہ بنت ثعلبہ کو ان کے شوہر نے ماں کی حیثیت دی، انہوں نے اگر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ تمہیں اس کا کفارہ ادا کرنا
چاہیے، اس پر جو بحث و مکرار ہوئی اس کو اللہ تعالیٰ نے سورہ مجادلہ کی ابتدائی آیتوں میں ذکر کیا ہے۔
اس کے علاوہ جگہوں میں عورتوں نے رجزیہ اشعار پڑھے ہیں۔ بروک کی لڑائی میں خولہ نے جو رجزیہ اشعار
پڑھے تھے اس کو ہم نے اوپر نقل کیا ہے۔ اگر ان کی آواز محرم ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد
خلفائے راشدین ان کو رجزیہ اشعار پڑھنے سے منع فرمادیتے، یہ اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ عورت

کی آواز محرم نہیں ہے اس لئے اس اصول کی بنا پر اگر وہ اقامت یا اذان کہیں تو اس میں کسی قسم کی شرعی قباحت لازم نہیں آتی۔ اسی طرح خطابت کا بھی معاملہ ہے۔ حضرت عائشہؓ ایک جید عالم اور فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ زبردست خطیب بھی تھیں۔ جنگِ جمل کے موقع پر آپ نے جو شان دار خطبے دیئے ہیں وہ ہمارے عربی ادب کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔ حضرت امام حسینؑ کی دردناک شہادت کے بعد سیدہ ام کلثومؓ بنت حضرت علیؑ نے اہل کوفہ کو خطاب کر کے جو دل دوز خطبہ دیا تھا وہ بلاغات النسا میں منقول ہے۔ اسی طرح جنگِ صفین میں بعض نامور عورتوں نے جو خطبے دیئے ہیں وہ جہرۃ خطب العرب میں نقل کئے گئے ہیں۔

جب بنی اُمیہ کے زمانے میں اخف بن قیس تمیمی کا جنازہ اٹھایا گیا اور انھیں قبر میں اتارا گیا تو ان کی بیچا زاد بہن صفیہ بنت ہشام المنقریہ نے ایک زوردار اور دل دوز خطبہ دیا تھا جو جہرۃ الخطب کے دوسرے حصے میں صفحہ ۲۴۲ پر منقول ہے۔

ابن کثیر نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ ام الدرداء تابعی، عابدہ، عالم اور فقیہ تھیں۔ وہ جامع و متنوع کی شمالی دیوار کی طرف بیٹھ کر حدیث و فقہ کا درس دیا کرتی تھیں، بہت سے لوگ ان کے درس میں شریک ہو کر تھے۔ اور فقہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ خود خلیفہ عبدالملک بن مروان ان کے اس درس میں شریک ہو کر تا تھا۔ ۱۷۷ھ میں انتقال کیا۔ (البدایہ والنہایہ الجز۔ التاسع صفحہ ۴۷)۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب عورتیں مجمعِ عام میں کھڑے ہو کر سیاسی خطبے دے سکتی ہیں تو کیا اپنی ماؤں اور بہنوں کے سامنے دینی اور اخلاقی خطبے نہیں سکتیں؟ اگر کوئی لڑکی جمعہ کے خطبے دیتی ہے تو اس میں کون سی شرعی قباحت لازم آسکتی ہے۔

بے پردگی بد اخلاقی کا مترادف نہیں ہے، یہ دونوں لازم اور موزوم نہیں مترادف نہیں ہے | ہیں۔ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ جو بے پردہ ہو وہ لازمی طور پر بد اخلاق بھی ہو، مرد و عورت کے معاملے میں ہمیشہ سونہی کا شکار رہتا ہے، اس لئے وہ ایک بے پردہ عورت کے متعلق ناروا الفاظ کے استعمال کرنے سے بھی پرہیز نہیں کرتا۔ مگر عورت میں قدرتی اور طبعی حفاظت رکھی گئی ہے جس کی طرف قرآن پاک کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

فالمحلات قانتات حافظات للغیب بما حفظ الله (نسا، ۳۳)

پس نیک بیویاں فرماں بردار اور غیب کی حفاظت کرنے والیاں ہوتی ہیں اس لئے اللہ نے ان کو محفوظ کر دیا ہے۔

پس نیک بیویاں فرماں بردار اور غیب کی حفاظت کرنے والیاں ہوتی ہیں اس لئے اللہ نے ان کو محفوظ کر دیا ہے۔

اس وقت ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں مسلمان لڑکیاں نہ صرف علوم جدیدہ میں بلکہ عربی و فارسی اور اردو زبان میں لڑکوں کے ساتھ اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی ہیں، اب سب لڑکیوں کے متعلق محض بے پردگی کی وجہ سے یہ فیصلہ کرنا کہ وہ براخلاق ہیں صریح تہمت اور افتراء ہے، اب بعض کا غلط راہوں پر پڑ جانا وہ ایک استثنائی حیثیت رکھتا ہے۔ کیا غیر تعلیم یافتہ لڑکیاں کبھی کبھی بڑی راہ پر نہیں پڑ جاتیں؟ حالات سے مجبور ہو کر بعض بڑی راہ پر پڑنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ پہلے ان حالات پر قابو پائیں اور ان کو اپنے موافق بنانے کی کوشش کریں۔

کیا سیکولر حکومت میں مسجدوں | بعض حضرات کو انگریزی اسکولوں اور کالجوں میں مسجدوں کے بنانے پر کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے؟ یہ اعتراض ہے کہ سیکولر حکومت میں سرکاری اداروں میں مسجدوں کے بنانے

کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اور اگر مسلمان اپنے اداروں میں مسجدیں بنائیں گے تو آئندہ ہندو اور کرسچین لوگ مندر اور گر جا کے بنانے کا مطالبہ کریں گے اور اس کی وجہ سے مسجدوں کی بے حرمتی ہوگی جس کو کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ ایک بالکل ہی موبوم خطرہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، غیر مسلم قومیں اتنی غیر منصف مزاج نہیں ہیں کہ وہ آئندہ مسلمانوں کی بنائی ہوئی مسجدوں پر ناجائز قبضہ کریں یا مسجدوں کے ساتھ مندر یا گر جا بنانے پر اصرار کریں، کم از کم جنوبی ہند میں تو یہ صورت حال ہرگز نہیں پیدا ہوتی، یہاں کے غیر مسلم مسجد کی اتنی ہی عزت کرتے ہیں جتنی کہ ہم مسلمانوں کے دلوں میں ہے، یہ روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ ہندو عورتیں عصر اور مغرب اور صبح کی نماز کے وقت اپنے بچوں کو لئے مسجدوں کے سامنے کھڑی رہتی ہیں، تاکہ نمازیوں کی دعا سے ان کے بچے شفا پائیں، مسلمانوں اور ہندوؤں میں اتنا زبردست سیاسی اختلاف ہونے کے باوجود ہندوؤں کی طرف سے کبھی یہ آواز نہیں اٹھی کہ ان کی عورتیں مسجدوں کے سامنے نہ کھڑی ہوں، ہر ایک کالج میں غیر مسلم طلبہ کی اکثریت ہے۔ اس کے باوجود کسی جگہ بھی یہ مطالبہ نہیں ہوا کہ ان مسجدوں کے ساتھ ان کے لئے مندر یا گر جا بھی ہونے چاہئیں، حکومت وقت کا رویہ بھی ایک بڑی حد تک غیر متعصبانہ ہی ہے۔ اس کی بجز مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، مدراس کے قلعہ سینٹ جارج میں حکومت کے اکثر دفاتر موجود ہیں، جہاں بہت سے مسلمان بھی ملازمت کر رہے ہیں۔ ان کے لئے حکومت کی طرف سے ہی ایک جگہ مخصوص کر دی گئی ہے، جہاں وہ پنج وقتہ اور جمعہ کی نمازیں ادا کر رہے ہیں۔ اسی طرح اکنڈنٹ جنرل آفس تینامپیت مدراس میں ایک وسیع کمرہ مسلمانوں کے لئے دیا جا چکا ہے جہاں وہ ظہر و عصر اور جمعہ کی نمازیں ادا کرتے ہیں۔ مدراس اسٹیٹ

بس ٹرانسپورٹ کے احاطہ میں ایک مسجد موجود ہے جہاں کسی زمانے میں وہ مسلمان نماز پڑھا کرتے تھے جو گورنر پٹن کے باڈی گارڈ کی خدمت پر مامور ہو کرتے تھے۔ اب بسوں کے مسلمان ملازم وہاں نماز پڑھتے ہیں۔ فتنہ و فساد کے زمانہ میں بھی غیر مسلم حضرات نے دکانوں اور کارخانوں کو نقصان پہنچانے کی تو کوشش کی ہے۔ مگر مسجدوں پر کبھی حملہ نہیں کیا۔ مدراس کے مدرسہ اعظم کے احاطہ میں ایک مسجد بنائی گئی ہے جس کے ساتھ اب گورنمنٹ آرٹس کالج بھی کام کر رہا ہے، یہ کالج مسلمانوں کے لئے بنا تھا۔ مگر اب یہاں مسلمان طلبہ کی تعداد بالکل گھٹ گئی ہے غیر مسلم طلبہ کا غلبہ ہے۔ اس کے باوجود آج بھی اس مسجد میں باقاعدہ نماز پڑھی ہے۔ غیر مسلم طلبہ نے کبھی یہ سوال نہیں اٹھایا کہ یہاں مسجد نہیں ہونی چاہیے یا اس مسجد کے ساتھ ایک مندر اور گرجا بھی ہونا چاہیے، مسلمانوں کو چاہیے کہ اس قسم کے فضول اور موہوم خطرات کو اپنے دل میں جگہ نہ دیں، اور نادانوں کے بے جا پردہ پگینڈے میں نہ آئیں۔

کیا انگریزی کالجوں کی انگریزی مدرسوں اور کالجوں کی تعلیم پر اکثر یہ آواز سے کہتے ہیں کہ یہاں لادینیت کی تعلیم لادینی ہے؟ کی تعلیم ہوتی ہے، یعنی جو بھی ان مدرسوں اور کالجوں میں آکر تعلیم حاصل کرتا ہے بے دین ہو جاتا ہے، ایسا سمجھنا درحقیقت ناواقفیت کا ثبوت دینا ہے، ان مدرسوں اور کالجوں میں مختلف زبانوں اور مختلف علوم و فنون کی تعلیم ہوتی ہے، جن کی ہماری روزمرہ کی زندگی میں ضرورت ہوتی ہے، دین اسلام ان کے سینے کا ہرگز مخالف نہیں ہے، طلبہ اور طالبات ان زبانوں اور ان علوم و فنون کو اس لئے سیکھتے ہیں کہ ان سے کام لے کر دنیا کی نئی نئی ایجادات و اختراعات سے خود بھی فائدہ اٹھائیں اور اپنی قوم و ملت اور اپنے ملک و وطن کو فائدہ پہنچائیں، ان کی وہی حیثیت ہے جو کسی زمانہ میں عربی میں علوم متداولہ یعنی تاریخ و جغرافیہ، حساب جبر و مقابلہ، اقلیدس، ہندسہ، علم ہیئت و نجوم، فلسفہ و منطق وغیرہ کی تھی، شرعی علوم صرف تین ہیں یعنی قرآن و حدیث اور فقہ، ان کے علاوہ جتنے بھی علوم ہیں وہ علوم متداولہ کی حیثیت رکھتے ہیں، یہ علوم متداولہ زیادہ تر قیاسی تھے، ان میں اتنی تحقیق و تدقیق نہیں ہوتی تھی جتنی کہ آج ہو گئی ہے، ہر علم اپنی جگہ پر ایک بجز ذخار ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے ہر ایک کو اپنی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ صرف کرنا ہوتا ہے، طلبہ ان علوم کو حاصل کر رہے ہیں تو وہ دین اسلام کے خلاف کام نہیں کر رہے ہیں، بلکہ ان علوم سے فائدہ اٹھا کر اپنے آپ کو اور اپنی قوم و ملت اور اپنے ملک و وطن کو بیش بہا فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ عربی مدرسوں میں قرآن و حدیث اور فقہ کی کچھ زیادہ تعلیم ہوتی ہے، اگر انہی کو کچھ آسان بنا کر اور مختصر کر کے انگریزی مدرسوں اور کالجوں میں تعلیم دی جائے تو وہ اچھے شہری ہونے کے ساتھ اچھے مسلمان بھی بن سکتے ہیں۔ جہاں جہاں مسلم کالجوں میں مسجد بنائی گئی ہے اس کا مقصد اتنا ہی ہے کہ

مسلمان طلبہ اور طالبات دینی اسلام کی تعلیمات سے واقف ہوں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں، اسی خیال کے پیش نظر ایس۔ ڈی۔ ای، ڈی، وینس کالج میں نہ صرف خارجی اوقات میں مذہبی اور دینی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے بلکہ ان کے لئے ایک مسجد بھی بنائی گئی ہے جہاں لڑکیاں جمع ہو کر نماز ادا کر سکتی ہیں، اور دینی مسائل کے متعلق مذاکرے کر کے اپنی علمی استعداد کو بڑھا سکتی ہیں۔ اس میں کسی قسم کی شرعی تباہی لازم نہیں آتی۔

لڑکیوں کی مسجد کے | ۱۶ جولائی ۱۹۶۳ء کو اس مسجد کا سنگ بنیاد حضرت مولانا قاضی مفتی حبیب اللہ صاحب سر سواتی نمایاں خواندہ | مدراس کے مبارک ہاتھوں رکھا گیا تھا۔ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی مدظلہ العالی نے ۲۹ جولائی ۱۹۶۶ء کی شام کو اس کا افتتاح فرمایا، اس افتتاح پر ابھی چند دن بھی نہیں گزرے ہیں کہ اس کے فوائد نمایاں طور پر ظاہر ہو رہے ہیں، پہلے سے باقاعدہ نماز پڑھنے والی لڑکیوں کو بید خوشی اور سرت سے کہ ان کی عبادت کے لئے انہیں ایک مستقل جگہ مل گئی، جہاں وہ چند منٹ کے لئے سکون اور آرام کے ساتھ نماز ادا کر سکتی ہیں، اب ان لڑکیوں کو بھی اس کی طرف توجہ ہوتی جا رہی ہے جو اس سے پہلے باقاعدہ نماز کی مادی نہیں تھیں، یا اپنے غلط ماحول کی وجہ سے نماز پڑھنے کو ایک فضول کام سمجھا کرتی تھیں ان لڑکیوں کو اس مسجد سے ایک دنی محبت ہو گئی ہے، وہ خود بہ سمجھے لگی ہیں کہ اس کو ہمیشہ آباد رکھنا ان کا فرض ہے۔ انفرادی حیثیت سے ان کو کبھی دینی مسائل پر مذاکرے کا موقعہ نہیں ملتا تھا۔ اب اس پر مذاکرے ہونے لگے ہیں، اور لڑکیوں کے اندر ایک جذبہ ابھر رہا ہے کہ وہ خود بھی عربی زبان سیکھیں اور دوسروں کو سکھائیں، چنانچہ یہاں کی ایک مسلمان استادنی جو انگریزی اور ہندی دونوں زبانوں میں ایم۔ اے کی اعلیٰ ڈگریاں رکھتی ہے، عربی سیکھنے پر آمادہ ہے۔ اس وقت وہ اسلامیات کے مطالعے میں پوری طرح مصروف ہے، اور ان موضوعات پر زور دار تقریریں بھی کرتی ہے۔ اس نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ چند برسوں کی محنت سے وہ مدراس یونیورسٹی کا افضل العلماء کا امتحان پاس کر کے رہے گی، اگر وہ ایسا کرے تو یقیناً ایک بڑا معجزہ ہوگا۔ دوسری بہت سی لڑکیاں بھی اس کے نقش قدم پر چل کر عربی زبان سیکھیں گی اور قرآن و حدیث اور فقہ سے واقف ہو کر دوسروں کو بھی راہ راست پر لانے کی کوشش کریں گی۔ اب گویا ان کے لئے ایک بہت بڑا اہم مرکز قائم ہو گیا ہے جہاں وہ اجتماعی طور پر دین و مذہب اسلام کی بھی کچھ نمایاں خدمات کر سکیں گی۔

